تہذیبوں کا تصادم: ہماری ذمہ داری

(خطاب: پروفیسر سید محمد ذوالکفل بخاری شہید، اکتوبر/ ۲۰۰۹ء، طائف)

ضبطِ تحریر: جام ریاض احمد

سید ذوالکفل بخاری نے شہادت سے ایک ماہ قبل طائف میں پاکستانی کمیونٹی سے خطاب فرمایا۔ اِس تقریب کا اہتمام جناب قاری محمد ابوبکر نقشبندی نے کیا تھا۔ اُنہی دنوں گورنر پنجاب سلمان تاثیر کی طرف سے پاکستان میں توہینِ رسالت قوانین ختم کرنے کا گمراہ کن بیان شائع ہوا جس پر پاکستان اور بیرونی ممالک میں مسلمانوں نے شدید ردِعمل کا اظہار کیا۔ اِسی تناظر میں یہ ایک فی البدیہہ تقریر تھی جس کی ریکارڈنگ قاری صاحب نے فراہم کی۔ اُن کے شکریے کے ساتھ اِس تقریر کو نقل کر کے ہدیۂ قارئین کیا جا رہا ہے۔ (ادارہ)

الحمد للّٰہ رب العٰلمین. والعاقبۃ للمتقین. والصلوٰۃ والسلام علیٰ خاتم النبیین.

حضرت قاری [ابوبکر] صاحب نے کچھ ایسے الفاظ استعمال کیے ہیں جن کا تعلق محبت سے ہے اور مبالغے سے ہے۔ اور محبت میں مبالغہ جائز ہے۔ حقیقت سے اِن کا تعلق نہیں ہے۔ میں ایک معمولی سا استاد ہوں۔ نسبت البتہ ایک ایسی شخصیت سے ضرور ہے جن کے بارے میں اُنھوں نے بہت کچھ کہا، اور صحیح کہا۔ اور تھوڑی بہت قلم کاری کبھی کی تھی۔ مجھے قاری ابوبکر صاحب نے فرمایا کہ جدہ آؤ، کچھ دوستوں کے ساتھ مل بیٹھیں گے اور کچھ بات وات ہوگی۔ ہرگز اندازہ نہیں تھا کہ اِتنے پڑھے لکھے احباب کے سامنے امتحاناً کچھ کہنے کو فرمایا جائے گا۔

اور میں سوچ رہا تھا...... اللہ تعالیٰ قاری صاحب کو جزائے خیر دیں...... اُنھوں نے میرا موضوع متعین کر دیا۔ بات اُنھوں نے کی علامہ اقبال کی۔ اور میرا خیال ہے کہ بات یہیں سے شروع کرتے ہیں۔ روایتی وعظ کہنا یا دادِ خطابت دینا یا کوئی شعلہ بیانی...... نہ وہ میرے بس میں ہے اور نہ اُس کا یہ موقع ہے۔ اور ویسے بھی ہم جس ماحول میں، جس دور میں، زندہ ہیں اُس میں عمل کی ضرورت ہے، گرمیِ گفتار کی نہیں۔

ایک منظر ہے اور ایک مظہر ہے۔ ایک phenomenon ہم دیکھ رہے ہیں تہذیبوں کے تصادم کا...... کچھ باتیں میرے ذہن میں آتی ہیں۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ آپ حضرات میں سے بہت سے لوگ مجھ سے زیادہ اِس ضمن میں بھی باخبر ہوں گے۔ لیکن یہ باتیں اگر ہم آپس میں نہیں کریں گے تو شاید بھول جائیں گے۔ کہتے ہیں اگر آئینہ نہ دیکھا جائے تو انسان اپنا چہرہ بھول جاتا ہے۔ اور کسی نے کہا تھا کہ مسلمان میں اور یہودی میں صرف ایک فرق ہے: یہودی کو اپنے ماضی سے محبت ہے اور مسلمان ماضی سے بیگانہ ہے۔ آج کا دور تہذیبوں کے تصادم کا دور ہے۔ ہر پڑھا لکھا آدمی جانتا ہے کہ مغرب سے ایک بات چلتی ہے اور پھر سالہا سال اُسی کی رٹ لگائی جاتی ہے۔ تازہ واقعہ ہوا ہے— کوئی زیادہ پرانا نہیں ہے— جرمنی میں ایک مصری خاتون کو قتل کر دیا گیا۔ اور علم کے پیڑ سے تہذیب کا بندر اُترا—

لوگ آئینوں میں تکنے لگے چہرے اپنے
علم کے پیڑ سے تہذیب کا بندر اترا

سب نے دیکھا۔۔۔۔۔۔ اِس دنیا میں پڑھے لکھے مسلمانوں کی ذمہ داریاں کیا ہیں؟ سوال یہ ہے۔ اور جیسے قاری صاحب نے اقبال کی بات کی۔۔۔۔۔۔ کسی نے کہا تھا:

سہل کردی ہیں مشکلیں ساری
مرنے والوں نے جینے والوں کی

یہ جو سوالات، جو مشکلات، جو الجھنیں آج ہمیں درپیش ہیں، ہر دور میں درپیش رہی ہیں۔ ہر دور کا ایک طاغوت ہے، ہر دور کا ایک نمرود ہے، ہر دور کا ایک فرعون ہے۔ شیطان۔۔۔۔۔۔ ایک ازلی اور ابدی اپوزیشن ہے جس نے خدا کو چیلنج کیا ہوا ہے۔ ہر دور میں اُس کی ایک حزب ہے، ایک جماعت ہے، ایک فریق ہے۔ ہر دور میں اُس کے حیلے ہیں۔۔۔۔۔۔ وہی حیلے ہیں پرویزی۔۔۔۔۔۔ اقبال کہہ چکے ہیں۔

اور میں ایک واقعے سے آغاز کرتا ہوں۔ اقبال کی خدمت میں کچھ لوگ آئے۔ پڑھے لکھے لوگ تھے۔ یونیورسٹی کے کچھ اساتذہ تھے اور کچھ طلبہ۔ اور وہ غیر مسلم تھے۔ اُنھوں نے کہا کہ ہماری کچھ الجھنیں ہیں۔ آپ دور کردیں تو شاید ہم اسلام کے قریب آجائیں۔ علامہ نے کہا فرمائیں۔ ایک صاحب کہنے لگے یہ تو مجھے سمجھ میں آتی ہے کہ آپ کے جو نبی ہیں۔۔۔۔۔۔ محمد کریم صلی اللہ علیہ وسلم۔۔۔۔۔۔ وہ بہت بڑے آدمی تھے۔ کردار اُن کا بہت اونچا تھا۔ اور اُن کا وجود ایک تاریخی حقیقت ہے۔ اِس میں کوئی افسانہ نہیں، کوئی مبالغہ نہیں۔۔۔۔۔۔ لیکن یہ جو آپ کہتے ہیں کہ ایک آدمی پہ الہام اُترا۔ اور عین مین اِسی کو آپ وحی کا نام دیتے ہیں، یہ میری سمجھ میں نہیں آتا۔ علامہ نے کہا ٹھیک ہے۔ پھر اُنھوں نے صرف ایک سوال کیا کہ اچھا یہ بتائیں آپ نے کبھی یہ بھی پڑھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی جھوٹ بولا ہو؟ غلط بیانی کی ہو؟ اُنھوں نے کہا یہ نہیں پڑھا۔ بہت سے اعتراضات ہیں تاریخ کو، اُن کے دشمنوں کو۔۔۔۔۔۔ اعترافات بھی ہیں، اعتراضات بھی ہیں۔ لیکن یہ کہیں نہیں پڑھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی خدانخواستہ معاذ اللہ غلط بیانی کی ہو، جھوٹ بولا ہو۔ تو علامہ نے کہا کہ بات یہ ہے۔۔۔۔۔۔ تیرہ سال جو زندگی ہے مکہ کی۔۔۔۔۔۔ آزمائشوں سے پُر، اِتنی آزمائشوں سے گزرنے کے بعد، ملا کیا؟ اور اتنی آزمائشوں کا ہدف کیا تھا؟ کبھی کسی جھوٹ کے لیے بھی آدمی اتنی آزمائشوں میں مبتلا ہوتا ہے؟ جان کو خطرہ، مال پلے نہیں، خویش و اقارب جان کے دشمن۔۔۔۔۔۔ اُنھوں نے کہا کہ سب کچھ تو مل رہا تھا۔ اُنھوں نے کہا آپ حکومت چاہتے ہیں، حکومت دیتے ہیں۔ جس قبیلے کے جس سردار کی بیٹی سے شادی کرنا چاہتے ہیں، کردیتے ہیں۔ دولت جتنی کہتے ہیں، دیتے ہیں۔ یہ بھی نہیں کہتے کہ اپنے خدا کو نہ مانیں۔۔۔۔۔۔ آپ مانیں۔۔۔۔۔۔ ہمارے لوگوں کو مت کہیں کہ یہ ایسا ہے۔ ایک نظام ہے، ایک زندگی ہے، اِس سے باز آجائیں! وہ بھی جھٹلا دیا۔ ملا کیا؟ کیا جھوٹ کے لیے تاریخ میں کبھی کسی نے اِتنی بڑی قربانی دی ہے؟ تو اقبال نے کہا بھائی! ہم نے تو خدا کو بھی مانا ہے تو اِس لیے مانا ہے کہ یہ جھوٹ نہیں کہہ سکتے۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خون سے اِس پر سچائی کی گواہی دی ہے۔۔۔۔۔۔ وحی اور الہام پر۔۔۔۔۔۔ تو ہم نے تو ربِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مانا ہے، ہمیں کیا پتہ تھا کہ خدا کون ہوتا ہے۔ پھر علامہ نے کہا کہ بات یہ ہے کہ وحی کا اور الہام کا سرچشمہ تو ایسا ہے جس کی مثال ہی کچھ نہیں۔ مجھ پر، چودھویں صدی میں، ایک گناہ گار اور حقیر آدمی پر، بعض اوقات شعر ایسے اُترتے ہیں کہ مجھ سے سنبھالے نہیں سنبھلتے۔ مجھے لکھنے کی مہلت نہیں ملتی۔ اور مجھے ایک زیر زبر کی، ایک شوشے کی تبدیلی نہیں کرنا پڑتی۔ تو اگر ایک گناہ گار شاعر کے ساتھ خدا کا یہ معاملہ ہوسکتا ہے، تو جو خدا کا سچا نبی ہو اُس پر وحی نہیں اُتر سکتی؟

میں کچھ واقعات بیان کرکے کوشش کروں گا کہ اُن کا ایک ربط قائم کروں۔ اُسی زمانے میں ایک تحریک چلائی گئی۔۔۔۔۔۔

بہت سوچ سمجھ کر...... جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کچھ لوگوں نے بدزبانی کی، بے ہودہ گوئی کی۔ دہلی سے کتاب چھپی۔ کراچی سے کسی نے بکواس کی۔ لاہور میں ایک شخص نے کتاب لکھی ''رنگیلا رسول'' (معاذ اللہ!)۔ وہ راجپال جو تھا، وہ اُس کا ناشر تھا، وہ مصنف نہیں تھا۔ لاہور ہی کے ایک آدمی نے...... غازی علم الدین نے...... اُس کو قتل کر دیا۔ اب اِس قتل کے مرحلے تک پہنچنے میں بہت سے مراحل ہیں۔ پورا ہندوستان ایک ہو کر حکومتِ برطانیہ سے مطالبہ کر رہا ہے کہ آپ یہاں یہ قانون پاس کریں کہ جناب کسی نبی کی...... یہ نہیں کہتے کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی...... [بلکہ] کسی نبی کی توہین کی اجازت نہیں دی جائے گی۔ آپ کہتے ہیں جناب امن وامان کا خطرہ ہو گیا تھا؟ ہمارے ہاں پاکستان میں بھی 16 ایم پی او ہے [ایک قانون کا نام]۔ اُس بندے کو پکڑ کر اندر کر دو، کافی ہے...... اس سے یہ مسئلہ نہیں رکے گا۔ تو ظاہر ہے کہ تاجِ برطانیہ کے کان پر جوں نہیں رینگی۔ پھر غازی علم الدین اُٹھا۔ وہ کیسے اُٹھا؟ اُس میں میرے کچھ ذاتی حوالے آتے ہیں، وہ میں بعد میں عرض کروں گا...... تو غازی علم الدین نے راجپال کو جہنم واصل کر دیا۔ اس ایک آدمی کی قربانی سے پھر قانون بنا۔ آج جس کو ہم Blasphemy Act کہتے ہیں، یہ اُسی دور کی یادگار ہے۔ قانون بنا۔ اور وہ نافذ ہوا۔ لیکن کس طرح......؟ ہر دور میں ایک نہ ایک علم الدین درکار ہوتا ہے۔ اور جیسے آج لوگ سوال کرتے ہیں کہ آپ کے نزدیک یہ بھی غلط اور یہ بھی غلط، یہ بھی گستاخی اور وہ بھی گستاخی۔ آپ تو آزادیِ اظہار کے راستے روکتے ہیں۔ اقبال کی خدمت میں لوگ گئے اور علامہ سے کہا کہ یہ بتایئے کہ توہینِ رسالت کی حدود کیا ہیں؟ کہاں سے توہین شروع ہوتی ہے؟ اقبال نے کہا مجھ سے پوچھتے ہو؟ خدا کی قسم میرے سامنے اگر کوئی یہ کہے کہ تمھارے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فلاں دن میلے کپڑے پہنے ہوئے تھے، تو یہ بھی توہین ہے۔ اُسے بھی نہیں چھوڑوں گا۔ ایک ہی تو ذات ہے۔ ایک ہی تو ذات ہے، جس کے گرد قبلہ اور کعبہ بھی گھومتا ہے ہمارا۔ ہماری دنیا و آخرت اُس کی جوتی کی لگی ہوئی خاک سے وابستہ ہے۔ اُس سے تم ہمیں بھٹکانا چاہتے ہو اور بہکانا چاہتے ہو؟...... امتحان یہی ہے ہر دور میں: ع نہ ستیزہ گاہِ جہاں نئی نہ حریفِ پنجہ فگن نئے۔

میں سوچتا ہوں اللہ نے ہمیں کس قوم میں پیدا کیا ہے؟ ایک صاحب کا بیان آیا...... میں یہاں لکھی ہوئی ہدایت کو بھی، کوشش کروں گا کہ اس کا احترام کروں...... اُنھوں نے کہا کہ توہینِ رسالت کے قانون کو اب بدل دینا چاہیے۔ ایک ذمہ دار آدمی ہیں۔ کہتے ہیں کہ توہینِ رسالت کے قانون کو بدل دینا چاہیے۔ کیوں؟ دو ہی باتیں ہیں: یا تو کوئی نئی وحی آئی ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ اب رسالت کا مقام یہ نہیں، یہ ہو گیا ہے۔ اِس پر آپ گفتگو کر سکتے ہیں، اِس پر نہیں کر سکتے۔ اور اگر وحی نئی نہیں آئی تو...... ہاں! وحی کا ایک دوسرا راستہ بھی ہے۔ قاری صاحب درست کر دیں اگر میں آیت غلط پڑھ رہا ہوں...... اِنَّ الشَّيٰطِيْنَ لَيُوْحُوْنَ اِلٰٓى اَوْلِيٰۗـِٕهِمْ (سورۂ اعراف، پارہ: ۸)۔ قرآن کہتا ہے کہ شیطان بھی اپنے ولیوں پر وحی کرتے ہیں جس طرح اللہ تعالیٰ اپنے انبیاء پر، اولیاء پر کوئی باتیں الہام کرتے ہیں۔ اور اگر فرشتہ لے کر جائے تو وہ وحی ہوتی ہے۔ اِسی طرح شیطان بھی اپنے ولیوں پر کچھ باتیں وحی کرتے ہیں، اُن کے دل میں ڈالتے ہیں۔ تو...... یا تو اُدھر سے وحی آ گئی ہے۔ کیوں بدل دیں؟

سوال پھر یہی ہے کہ ہم کیا کر رہے ہیں، اور ہمارا اپنے دین سے، اپنی شناخت سے، اپنی پہچان سے ربط کا عنوان کیا ہے؟ یہ آج کا مسئلہ ہے۔ ہمیں Defensive کر دیا جاتا ہے کہ اَجی تہذیبوں کے ٹکراؤ کا دور ہے۔ تو گویا ہم اِس ٹکراؤ کے ذمہ دار ہیں؟ گویا ہمیں اِس ٹکراؤ سے بچنا ہے؟ وہ سڑک پہ لکھا ہوتا ہے: ''بچ موڑ توں''۔ ع وہی ذبح بھی کرے ہے وہی لے ثواب الٹا۔

یہ عجیب رسم دیکھی کہ بروزِ عیدِ قرباں
وہی ذبح بھی کرے ہے وہی لے ثواب اُلٹا

اور میرا جو مسئلہ ہے وہ غیر نہیں ہے۔ اپنے ہیں۔ ہمارے ہاں کچھ مصنوعی، کچھ بناوٹی تقسیمیں کر دی گئی ہیں۔ اور بدقسمتی سے اِن تقسیموں پر کچھ لمبے لمبے عرصے گزر گئے ہیں تو اب اُن پر مہر لگ گئی ہے تصدیق کی...... کہ جی یہ کام مولوی صاحب

کا ہے، یہ کام مفتی صاحبان کریں گے۔ اور یہ دنیاداری کے کام ہیں۔ جی آپ یہ ہم پر چھوڑ دیں۔

چوکھٹے قبر کے خالی ہیں انھیں مت بھولو
جانے کب کون سی تصویر سجادی جائے

اگر تو مولوی صاحب کی قبر میں میں نے جانا ہے یا مولوی صاحب نے میری قبر میں جانا ہے تو پھر یہ تال میل کچھ معنی رکھتا ہے، کہ یہ مولوی صاحب کا کام ہے!

نبی علیہ السلام فرمارہے ہیں **خَیرُ القُرُونِ قَرنِی**...... سب سے اچھا زمانہ میرا ہے...... تو اُس زمانے میں کیا تھا؟ کیا صحابہ نے ایسا کہا کہ نہیں، اِس بات پر تو react کرنے کا حق صرف عمرؓ بن خطاب کو ہے، یا ابوبکر صدیقؓ کو ہے، یا معاذؓ ابن جبل کو ہے، یا اسامہ بن زیدؓ کو ہے، ہمیں نہیں۔ ایسا نہیں کہا۔ ہاں! یہ ضرور ہے کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے کہا گیا کہ یہ کچھ لوگ ہیں۔ یہ ابھی کلمہ بھی پڑھتے ہیں۔ یہ نبوت ورسالت پر، حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان بھی رکھتے ہیں۔ یہ صرف زکوٰۃ میں تھوڑی سی نرمی چاہتے ہیں۔ کہتے ہیں ہم نہیں دیں گے...... اور یہ نہیں کہ زکوٰۃ نکالیں گے نہیں۔ ہم بیت المال کو نہیں دیں گے۔ اسلام کا جو متعین کیا ہوا نظام ہے...... خلافت کا...... اُس میں تھوڑی سی ہم relaxtion چاہتے ہیں، ہم اُس کو نہیں دیں گے۔ تو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کیا فرمارہے ہیں؟...... اور صحابہ رضی اللہ عنہم مخالفت کررہے ہیں کہ...... ابھی یہ محاذ نہ چھیڑیں! نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اِس دنیا سے پردہ فرمائے کچھ عرصہ گزرا ہے، چند مہینے بھی نہیں ہوئے، آپ اِتنا بڑا محاذ چھیڑ دیں گے؟ مدینہ نہتا ہو جائے گا دشمن کے لیے بالکل۔ فوجیں ہماری باہر مشغول ہو جائیں گی۔ آپ کیا کررہے ہیں؟...... تو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے کیا فرمایا؟ ایک تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب یہی مشورہ دیا تو کہا کہ عمر! جاہلیت میں تو بہت بہادر بنتے تھے، اسلام میں آکر بزدل ہو گئے؟ ایک یہ کہا۔ دوسرا فرمایا کہ خدا کی قسم یہ تو بیت المال میں زکوٰۃ دینے کی بات کررہے ہیں، یہ زکوٰۃ میں اگر اونٹ دیتے تھے اور اُس اونٹ کی رسی بھی نہیں دیں گے تو ابوبکر اِن سے جہاد کرے گا۔ اور کہا مدینہ اِتنا غیر محفوظ ہو جائے کہ امہات المومنین کو کتے آکے نوچنے لگیں، تب بھی یہ جہاد منسوخ نہیں ہوگا۔ یہ اجتہاد تھا؟ یہ جوش تھا طبیعت کا؟ نہیں...... یہ احکام ہیں، جن کے بدلنے کا اختیار نبی کو بھی نہیں ہے۔ **اَلْجِهادُ ماضٍ اِلیٰ یَومِ القِیامَة**۔ جہاد قیامت تک جاری رہے گا۔ ابوبکر (رضی اللہ عنہ) کی کیا مجال تھی؟ یہی بات قرآن میں نبی علیہ السلام سے کہلوائی گئی: **اَنْ اُبَدِّلَهٗ مِنْ تِلْقَآءِ نَفْسِی**...... اپنی خواہش سے، اپنے دل سے میں کیسے بدل سکتا ہوں؟ وہی Compromising Attitude مانگا جارہا تھا...... کفار بھی یہ کہہ رہے تھے کہ کچھ لو، کچھ دو۔ کچھ ہمارے مان لیں، کچھ آپ کے ہو جائیں...... کچھ خدا پر compromise ہو جائے، کچھ نظام پر ہو جائے۔

جب دین آئے گا تو اپنے پورے تقاضوں سے آئے گا۔ آدمی یا مسلمان ہوتا ہے یا نہیں ہوتا۔ انسان انسان ہوتا ہے یا بندر۔ یا وہ بھیڑیا ہے یا وہ گیدڑ ہے۔ دو شناختیں نہیں ہوتیں۔ آج جو ہوّا کھڑا کیا جارہا ہے تہذیبوں کے تصادم کا، رونا یہ ہے کہ اِس میں ایک نئی بات باور کرائی جارہی ہے: part time مسلمان۔ چونکہ زندگی نے یہ concept ہمیں دیا ہے کہ ایک آدمی تین چار جگہ job کرتا ہے۔ تو پارٹ ٹائم مسلمان۔ میں مسجد میں ہوں تو میں مسلمان ہوں، میں اگر بینک میں ہوں تو پھر میرے لیے بینکاری جو ہے اُس کے تقاضے ناگزیر ہیں، تجارت میں ہوں تو تجارتی تقاضے ناگزیر ہیں، پالیٹکس میں ہوں تو مجھے ڈیوٹی بھی کرنی پڑے گی، بے غیرتی بھی کرنی پڑے گی، حرام خوری بھی کرنی پڑے گی، کمینگی بھی کرنی پڑے گی۔ یہ پارٹ ٹائم مسلمان ہے۔ یہ کہاں سے آیا ہے؟ ہر آدمی کو ٹٹولنا چاہیے۔ کہ اگر تو سوالات وہی ہیں جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بتائے جو قبر میں پوچھے جائیں گے...... اگر تو ہم امت وہی ہیں، تبدیل نہیں ہوگئے...... اگر تو کلمہ وہی ہے...... اگر تو قرآن وہی ہے...... کوشش کی جارہی ہے۔ ہمارے وزیر تعلیم نے کہا تھا چالیس سپارے ہیں۔ کوشش جاری ہے...... لیکن اگر قرآن وہی ہے، تو پھر یہ پارٹ ٹائم مسلمان کیا

ہے؟...... معاف کیجیے...... میری سمجھ میں کبھی نہیں آیا۔ اور یہ سب باتیں وہ ہیں جو ہم آپ دن رات سوچتے ہیں۔ گزارش یہ ہے کہ اِن کو ''اِذنِ نوا'' بھی ملے۔ یہ باتیں ہمارے ماحول میں کہی جائیں، سنی جائیں۔ یہ جو نسلیں پروان چڑھ رہی ہیں، ہمارے اِردگرد، یہ ہماری ڈسپوزل پر دی گئی ہیں اور ہم اِس کے پابند بنائے گئے ہیں کہ یہ سوجھتا اِن کو سجھائیں، یہ فہم و بصیرت اِن کو منتقل کریں۔

بات پھر وہی آگئی۔ اگر آج یہودی کو نہیں کہا جاتا کہ یہ بنیاد پرست ہے یا متعصب ہے، مسلمان کے لیے یہ لیبل کیوں ہیں؟ اِس لیے کہ کہیں پیچھے خرابی ہوگئی ہے۔ کہیں پیچھے خرابی ہوگئی ہے۔ ہم نے کچھ کمپرومائز ایسے کیے ہیں کہ ہم سے دوسرا مطالبہ ''ڈومور'' (Do more) ہوگا۔ بالکل ہوگا۔ لیکن اِس کی حد کیا ہے؟ یہ بھی سوچ لیا جائے۔ ہمارے لیے معیار کیا ہے؟

کارزارِ دہر میں وجہِ ظفر وجہِ سکوں
عرصۂ محشر میں وجہِ درگزر خیر البشرؐ

ہم خیرالبشر صلی اللہ علیہ وسلم کے ماننے والے ہیں۔ کبھی کبھی جی چاہتا ہے کہ آدمی تنہائی میں دو چار پانچ منٹ کا مراقبہ، اِس بات کا کرے کہ اگر قیامت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سامنا ہوا تو میرے پاس اپنی کوتاہیوں کا جواز کیا ہوگا؟...... سامنا تو ہوگا...... اور مجھے پھر اقبال یاد آگئے:

ور تو می بینی حسابم ناگزیر
از نگاہِ مصطفیؐ پنہاں بگیر

خدا سے کہہ رہے ہیں کہ اچھا ہے تو میرا حساب نہ لے۔ تو غنی از ہر دو عالم من فقیر۔ تُو تو دونوں عالم سے غنی ہے، مجھ فقیر کا کیا حساب لے گا۔ اچھا تو ہے میرا حساب نہ لے۔ لیکن اگر آپ، اے مولائے پاک، اگر آپ سمجھیں کہ میرا حساب لینا ہی ہے، تو پھر مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہوں سے ورے ورے۔ میں اُن نگاہوں کا سامنا نہیں کرسکتا۔ یہ احساس کیسے منتقل ہوگا؟ سوال یہ ہے۔ ہر چیز کے لیے ایک محنت ہے، ہر چیز کے لیے ایک پلاننگ ہے، ہر چیز کے لیے ایک تگ و دو ہے۔ اور...... دمادم رواں ہے یمِ زندگی۔ اور پتہ نہیں...... یہ آج مجھے بتایا گیا ہے، پہلے مجھے شرف نہیں تھا، اُن سے تعارف کا، کہ ڈاکٹر صاحب تھے۔ وہ اللہ کو پیارے ہوگئے۔ اور اُن کی یاد میں ہے یہ اجتماع اور یہ اِکٹھ۔ اور بسا غنیمت ہے کہ ہم لوگ کسی عنوان سے اکٹھے ہوں...... تو کب کس کو بلاوا آجائے؟ کسی کو پتہ نہیں ہے۔ تیاری کیا ہے؟ اور تیاری یہ نہیں ہے کہ بیٹھ کر تسبیح پھیری جائے اور پھر صدقے اور زکوٰتیں دی جائیں، اور گوشہ گیری اور عافیت میں زندگی گزاری جائے۔ یہ خود فریبی ہے۔ یہ طفل تسلی ہے۔ اگر تیاری یہی ہوتی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی 23 سالہ زندگی میں اِس کی جھلک ملتی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں تو بدر ہے، احد ہے، خندق ہے، خیبر ہے، تبوک ہے، یمامہ ہے۔ یہ ہے تیاری۔ اور وہاں پہ فاقہ کشی ہے، کمپرومائز نہیں ہے۔ دو دو سو، چار چار سو، دو ہزار، چار ہزار ریال کے لیے، روپوں کے لیے، مفادات کے لیے، نوکری کے لیے کمپرومائز کریں گے؟ کہاں تک کریں گے؟ کیا ہم تہذیبوں کی اِس جنگ میں پھر جیت جائیں گے؟ کیا ہمیں رعایت مل جائے گی؟ کیا بوسنیا والوں کی رعایت دی گئی؟ مروۃ الشربینی کا قصور کیا تھا؟ کیا قصور تھا؟ یہی کہ ع ایں مقتول را جز بے گناہی نیست تقصیرے۔

بہ لوحِ تربتِ من یافتند از غیب تحریرے
کہ ایں مقتول را جز بے گناہی نیست تقصیرے

مرزا مظہر جانِ جاناں دہلویؒ نے کہا کہ میری قبر پر غیب سے یہ کتبہ لکھا ہوا ملے گا: ایں مقتول را جز بے گناہی نیست تقصیرے۔ اِس شہید کا تو کوئی گناہ نہیں تھا۔ وہ جیسے قرآن کہتا ہے: بِاَیِّ ذَنۡبٍ قُتِلَتۡ۔

اب حدیث شریف میں اِس کے لیے الفاظ ہیں: فرمایا تم پر وہن غالب آجائے گا (حُبُّ الدُّنۡیا وَکَرَاهِیَةُ

المَوت میں)۔ اپنے تئیں میں سمجھتا ہوں کہ جناب میاں صاحب ہیں، بڑے مولوی صاحب ہیں، ہم بڑی نمازیں پڑھتے ہیں، شکل وصورت میں بہت بہروپ بھرا ہوا ہے، لیکن میں بھی اپنی تنہائی میں سوچوں کہ تیاری کتنی ہے؟ اور تیاری یہی ہے...... جس میں ہم ڈالے گئے ہیں: **لارَھْبانِیَۃَ فِی الاسلام**۔ اقبال کہتا ہے:

عذابِ دانشِ حاضر سے باخبر ہوں میں
کہ میں اِس آگ میں ڈالا گیا ہوں مثلِ خلیلؑ

جیسے ابرہیم علیہ السلام کا امتحان یہ تھا کہ آگ میں سے گزارا گیا، ہم سب اِس آگ میں ڈالے گئے ہیں۔ جس زمانے سے ہم گزر گئے ہیں، گزر رہے ہیں۔ اعتراضات بھی ہیں اور Temptation بھی ہے...... بہت زیادہ ہے...... آپ آنکھیں بند کرلیں، آپ گزر جائیں، سرسری اِس جہان سے! آپ کے لیے سارے مسئلے حل ہیں۔ **اِذا لَمْ تستحی فاصنع ماشئت** (بے حیا باش و ہر چہ خواہی کن)۔ سوا اَرب کے قریب مسلمان ہیں۔ ہمارا وزن کیا ہے؟ اور یہ میں سیاسی بات نہیں کررہا...... معاف کیجیے گا...... یہ وہ بات ہے: **اَلَسْتُ بِرَبِکُمْ قالوا بَلیٰ** ...... ہم نے تو بہت پہلے سے ایک عہد کیا تھا، وہ ایک دوسرے کو یاد دلانا ہے۔ اِس کے لیے ہم پابند کیے گئے ہیں۔ یہ ہمارے لیے کہا گیا ہے کہ **بَلِّغُوا عَنِّی وَلَو آیَۃ**...... یہ ہمارے لیے کہا گیا ہے۔

ہم نے ایک کلاس پیدا کی ہے اپنی بخشش کے لیے۔ باپ میرا مرجائے، بلایا جاتا ہے مولوی کو...... کہ اِس کو بخشواؤ۔ اُس کا کیا قصور ہے، بے چارے کا، کہ وہ بخشوائے؟ بخشواؤ جی۔ inject کروثواب قبر میں۔ یہ ایک کلاس پیدا کی ہے ہم نے۔ یہ کلاس صحابہؓ کے دور میں تھی؟ دین کی مبادیات سے، اصولوں سے ہمارا تعلق کیا ہے اور کیا نہیں۔ خدا کی قسم میں کہتا ہوں عشرۂ مبشرہ کے نام پوچھ لیں، اُمہات المومنین کے نام پوچھ لیں، بناتِ طاہرات کے نام پوچھ لیں...... نہیں آتے۔ اِس کا ذمہ دار کون ہے؟ میں خود ہوں! میرے بچے کو نہیں آتے یہ نام تو ذمہ دار معاشرہ نہیں ہے، میں خود ہوں۔ میرے پاس دنیا جہان کے کاموں کے لیے وقت ہے، اِس کام کے لیے وقت کیوں نہیں؟

وہ احمد ندیم قاسمی مرحوم نے لکھا کہ ہمارے ایک دوست تھے کرنل صاحب۔ ہمارے اُن کے ساتھ بہت اچھے فیملی ریلیشنز تھے۔ ایک دن اُنھوں نے کہا کہ تمھاری ضرورت پڑگئی ہے۔ خیریت؟ کیا ہوا؟ تم چلے آؤ۔ ہم چلے گئے۔ کہنے لگے ہمارا بیٹا ہے۔ یہ شادی کرنا چاہتا ہے ایک جگہ۔ اب ہم سارا خاندان کہہ رہے ہیں کہ تمھیں غلط جگہ پھنسایا جارہا ہے، نہ کرو۔ یہ مانتا نہیں ہے۔ تم سے مانوس ہے۔ انکل انکل کہتا ہے۔ کچھ ٹرائی کرو اِس کو قائل کرنے کی۔ ٹھیک ہے۔ کہنے لگے میں نے ادب کی، صحافت کی، نغمہ وشعر کی اور موسیقی کی یعنی جس قدر مجھے داؤ پیچ آسکتے تھے، میں نے لگائے اُس بچے کو، دس پندرہ منٹ میں۔ وہ میری بات بڑے احترام سے سن رہا تھا، تو میں نے کہا یار، والدین کا بڑا حق ہوتا ہے۔ اتنی بات مان لو۔ اگر تمھاری عقل میں یہ بات نہیں بھی آتی کہ یہ فیصلہ تمھارا غلط ہے، تم سو فیصد Justified ہو کہ یہ فیصلہ درست ہے، لیکن ماں باپ کی بات مان لو۔ اِس پر اُس لڑکے نے باپ دیکھا اور کہا کہ: I am the outcome of your pleasure. Nothing else. آپ مجھ سے اور کیا چاہتے ہیں؟...... یہ حسنِ تربیت کا شاہکار ہے۔ یہی شاہکار ہے تیرے ہنر کا...... کہ جناب آپ نے اپنی نشاط کی خاطر، اپنی لذت کی خاطر چند لمحے گزارے تھے۔ میں اُن کی یادگار ہوں۔ آپ کا مجھ پر کیا حق ہے؟

تو گزارش یہ ہے کہ یہ مسلمانی جو ہے...... چومی گویم مسلمانم بلرزم۔ اقبال نے کہا تھا کہ جب میں اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہوں تو میں اندر سے لرز جاتا ہوں...... کہ دانم مشکلات لا الہٰ را۔ مجھے لا الہٰ کی مشکلات کا اندازہ ہے۔ آپ ایک عالم سے ٹکر لے رہے ہیں۔ مدینۂ طیبہ سے جب انصار کا پہلا وفد آیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت کی اُنھوں نے مکہ مکرمہ میں (ہجرت کا قصہ تو بہت بعد کا ہے) تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے اُن سے کہا تھا کہ میرے بھتیجے کو تم لے جانے کے عہد و پیمان

باندھ رہے ہو، تمھیں پتہ ہے تم کس بات کا سودا کر رہے ہو؟ پورے جزیرۂ عرب کی قبائل کی دشمنی کا! یعنی جب آپ decision لے رہے ہیں، تو آپ کو اندازہ ہو کہ اِس کی gravity کیا ہے۔ اُنھوں نے کہا ''ہاں! ہم اپنی جان پر کھیل جائیں گے، اِن پر گزند نہیں آنے دیں گے۔'' اور اُنھوں نے اپنا وعدہ نبھایا:

چومی　گویم　مسلمانم　بلرزم
کہ　دانم　مشکلاتِ　لا　الٰہ　را

اِن مشکلات کا اندازہ تو ہو۔ ایک صاحب کہہ رہے تھے کہ جہاد کو بہت جی چاہتا ہے۔ ماشاء اللہ جی بہت اچھی بات ہے۔ لیکن ایک پرابلم ہے، کہ سنا ہے سالے جان سے ہی مار دیتے ہیں۔ بھائی یہ دن رات کا جہاد ہے۔ اور اگر میرے پڑھے لکھے بزرگ، اور اِس مجلس میں، میں بالکل بلا تکلف عرض کرتا ہوں کہ آپ سب حضرات مجھ سے زیادہ سمجھدار، تعلیم یافتہ، ہوش مند، دنیا کو برتتے ہوئے، جانے ہوئے...... اگر آپ شعوری طور پر اپنی ذمہ داریوں کا ادراک نہیں فرمائیں گے، یا یہ باتیں اپنے ماحول میں کم علم لوگوں تک نہیں پہنچائیں گے...... یقین مانیے...... کہ وقت ہمارے قابو سے نکل جائے گا۔ میں گزشتہ دنوں پاکستان میں تھا۔ لاہور میں ایک صاحب ملے۔ اُن کے والد صاحب ایم این رہے تھے۔ اُن کے چچا جج تھے۔ اِس قسم کی فیملی تھی۔ خود وہ امریکن نیشنل تھے۔ اور وہ جہاد کے لیے جا رہے تھے۔ میں نے اُن سے کہا کہ آپ کس طرح کا جہاد کرنا چاہ رہے ہیں؟ تو اُنھوں نے بتایا کہ جی بس، لمبا یا دیو جوا گے نظر آوے۔ وجہ کیا ہے؟ کمیونیکیشن نہیں ہے۔ میں نے کہا آپ کو پتہ ہے یہ جو سترہ کروڑ اٹھارہ کروڑ کا ملک ہے، اِس میں سے ہر آدمی بے چارہ اِس قابل ہے کہ آپ اُس کی خاطر جہاد کریں۔ یہ جو ناخواندگی کے گندے جوہڑ میں پڑے سڑ رہے ہیں، جن پر چند خاندان اور چند کلاسیں مسلط کر دی گئی ہیں، اور جن کو پتہ ہی نہیں چلتا:

وہ شاخِ گل پہ زمزموں کی دُھن تراشتے رہے
نشیمنوں پہ بجلیوں کا کارواں گزر گیا

جن کو پتہ ہی نہیں چلتا اور بجلیاں کوند جاتی ہیں، اُن کے حق میں جہاد کون کرے گا؟ مطلب یہ کہ شعوری زندگی گزاری جائے...... شعوری...... اور ایک بات میں اور عرض کروں۔ قرآنِ کریم کہتا ہے: **اِنَّما یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمآءِ** ...... اللہ سے ڈرتے کون ہیں؟ ...... ہم تو سب ڈرتے ہیں...... اللہ سے کون نہیں ڈرتا؟ شیخ سعدی نے کہا تھا کہ میں دو طرح کے لوگوں سے ڈرتا ہوں، ایک اُس سے جو خدا سے ڈرتا ہے، اور ایک اُس سے جو خدا سے نہیں ڈرتا۔ تو اللہ سے کون ڈرتا ہے؟ قرآن کہتا ہے کہ عالم بندے ڈرتے ہیں۔ جس کا علم اُس کو خدا کی معرفت نہیں دیتا، خدا سے اُس کے تعلق کی پہچان نہیں دیتا، اپنی ذمہ داریوں کا ادراک نہیں دیتا، اوامر ونواہی کی معرفت نہیں دیتا، اپنے اِس وجود کا، یہاں ہونے کا جواز نہیں دیتا...... معاف کیجیے...... وہ علم نہیں ہے، جہالت ہے، جاہلیتِ جدیدہ ہے...... جس میں آج ہم مبتلا کیے گئے ہیں۔ ابوجہل بھی اپنے وقت کا ابوالحکم تھا۔ سب کچھ تھا اُس کے پاس۔ اور اُس کے پاس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جھٹلانے کی کوئی وجہ بھی نہیں تھی۔ اُس نے مانا...... یہ ریکارڈ پر ہے...... اُس نے مانا کہ ہمیں پتہ ہے کہ یہ سچا ہے۔ لیکن ہم اپنا سارا قبائلی طمطراق، سارا سسٹم— صدیوں سے چلتا ہوا— اِس کی خاطر تج دیں؟ تو بات یہ ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو...... کہیں ایسا نہ ہو...... کہ ہماری چھوٹی چھوٹی غلطیاں، چھوٹی چھوٹی انائیں آڑے آ جائیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا ہے کہ **اَللّٰھُمَّ اَرِنَا الْحَقَّ حَقًّا وَارْزُقْنا اتِّبَاعَہ' وَاَرِنَا الْبَاطِلَ باطِلًا وَارْزُقْنا اجْتِنابَہ**...... یا اللہ! جو حق ہے، جو سچائی ہے وہ مجھے دکھا سچائی کے روپ میں، اور مجھے اُس کی پیروی کی اور مجھے اُس کے پیچھے چلنے کی، اُس کو پکڑنے کی توفیق دے۔ جو باطل ہے، جو جھوٹ ہے، جو فریب ہے، جو دھوکہ ہے، جو سراب ہے، وہ مجھے دھوکے کی صورت میں دکھا۔ اور پھر اُس سے بچنے کی توفیق دے۔ ایسا ہوتا ہے...... جب آدمی اپنی دانش پر اعتبار کرتا ہے، اعتماد

کرتا ہے، تو بسا اوقات، بہت دفعہ، وہ باطل کو سچ جانتا ہے، سچ کو باطل جانتا ہے۔ اقبال نے اِسی کو کہا دانشِ برہانی اور دانشِ نورانی۔ ''دانشِ نورانی'' وہ ہے جو نورِ نبوت سے مستنیر ہے۔ جس کا نورِ نبوت سے اخذ کردہ ہے۔ اور ''دانشِ برہانی'' وہ ہے جو دو اور دو چار کی طرح آدمی کو فریبِ سود و زیاں میں لے جاتی ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو جائے، کہیں ویسا نہ ہو جائے۔ تو صرف بات یہ ہے کہ فرصتِ عمل کم ہے، ذمہ داریاں بہت زیادہ ہیں۔ اور پڑھے لکھے لوگوں کی ذمہ داریاں اور بھی زیادہ ہیں۔ یہ جو ہر سوسائٹی میں لوگ تبدیلی لاتے ہیں۔ جو driving force ہوتے ہیں وہ intellectual minority ہوتے ہیں۔ یہ کہیں پہ مجھے نہیں ملا، کسی عالم کی محنت سے، بڑے بڑے احادیث کے مجموعوں سے بھی، کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں یہ عذر مسموع ہو اور مقبول ہو کہ جناب! بس اِس کا خیال نہیں آیا جی، اور جی، بس ذمہ داریاں بہت تھیں؛ او جی بچوں کے ہی بڑے مسئلے تھے۔ یہ دیکھ لیا جائے کہ اگر ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کا...... آخری سہارا وہی ہے نا؟...... تو یہ candidature مضبوط ہونا چاہیے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم صحابی سے کہہ رہے ہیں، تین مرتبہ پوچھا کہ کیا چاہتے ہو؟ کیا چاہتے ہو؟ کیا چاہتے ہو؟ تین مرتبہ جواب ملا: جنت میں آپ کی رفاقت، جنت میں آپ کی رفاقت۔ پوچھنے والے اللہ کے آخری نبی ہیں، سیّد المرسلین، اور جواب دینے والے صحابی رضی اللہ عنہ۔ صحابی وہ ہے جن کے بارے میں امام سید ابوذر بخاریؒ نے کہا:

شہیدِ عشقِ محمدؐ کا احترام کرو
کہ اُس سے برزخ و محشر میں احتساب نہیں

صحابہ کے اعمال نہیں تولے جائیں گے۔ اُن کی معیت...... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے...... اور نسبت تولی جائے گی۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کیا فرمارہے ہیں؟ کہ پھر اپنے سجدوں سے میری مدد کرنا جب میں خدا کے ہاں تمھارا کیس plead کر رہا ہوں، اپنے سجدوں سے میری مدد کرنا۔ نہ جانے کون عمل کس کو بخشوا دے گا!

آج کے دور کا جو چیلنج ہے وہ یہ ہے۔ آج کے دور کی جو جاہلیتِ جدیدہ ہے وہ یہی ہے۔ ہاں! ہم ایک اپنی الگ تہذیب رکھتے ہیں۔ ہاں! ہمیں ادراک ہے۔ ہم نے ایک زمانے کو چیلنج کیا ہے۔ ہاں! ہم جانتے ہیں کہ ہم نے انگاروں کو مٹھی میں لیا ہے۔ دشت کی آندھی پوچھ رہی ہے اب بھی ہمت باقی ہے؟

میں اِک تنہا پیڑ کی صورت دشتِ بلا میں ٹھہرا ہوں
وقت کی آندھی پوچھ رہی ہے اب بھی ہمت باقی ہے؟

ہاں! باقی ہے۔ یہ ہواؤں کے سامنے چراغ جو ہم نے جلانا ہے اِسی لیے جلانا ہے...... اور ہم سب اِس کے پابند کیے گئے ہیں...... بات پھر وہی ہے کہ اگر تو اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی ایک طبقے کی ذمہ داری طے فرمادی کہ یہ دین کی لڑائی، اِس دین کی محنت، امت کے اندر دین کا کام، دین کی بیداری، یہ فلاں طبقے کی محنت ہے، تو بسر وچشم، علی الراس والعین۔ اور اگر ہم سب ہیں، تو پھر گریزاں کیوں؟ اور اِس گریز کا کوئی نہ کوئی جواز سوچ لیا جائے۔

یہ ہمارے گورنر صاحب پنجاب کے، اِن کے ابّا تھے ڈاکٹر ایم ڈی تاثیر۔ اپنے وقت کے بڑے پڑھے لکھے آدمی تھے۔ اِس میں کوئی شک نہیں۔ جب کوئی بی اے سے آگے جاتا نہیں تھا (یہ partition سے بہت پہلے کی بات ہے، اور جو خوش نصیب بی اے کر لیتے تھے وہ اپنے نام کے ساتھ لکھا کرتے تھے۔ محمد بخش مسلم بی اے۔ یہ مولانا تھے، شاہی مسجد کے امام رہے ہیں) وہ کیمبرج سے پی ایچ ڈی کر کے آئے تھے انگلش لٹریچر میں۔ ڈاکٹر محمد دین تاثیر...... تو اُن کے تعلق سے میں دو واقعات آپ کی نذر کرتا ہوں۔ ایک تو یہ کہ ایم ڈی تاثیر...... یہ فیض احمد فیض کے ہم زلف ہیں۔ ایک بہن فیض کے گھر تھی اور ایک ایم ڈی تاثیر کے گھر تھی۔ تو ایم ڈی تاثیر کہتے ہیں کہ میرا نکاح علامہ اقبال نے پڑھایا۔ اور اِس میں حق مہر باندھا اور شرعی شرائط

طے کیں اور سارا کچھ۔ اُنھوں نے کہا کہ یار یہ کام ہم خود کر سکتے ہیں...... میں جس چیز کی طرف متوجہ کرنا چاہ رہا ہوں...... کہ ہمارے ہاں، یعنی جو دین کا کام سمجھ لیا گیا ہے، وہ کیا ہے؟ کہ جنازہ پڑھنا، نماز پڑھنا، قرآن پڑھنا۔ یہ دین کا کام ہے۔ اور اِس کے لیے پھر ایک کلاس ہم نے طے کر دی کہ یہ کریں گے۔ اِس کے علاوہ کوئی اور کام تو ہے نہیں...... تو اقبال نے خود پڑھایا اُن کا نکاح۔ اُنھوں نے کہا کہ وہ اُن کے خاندان میں یادگار کے طور پر چلا آتا ہے۔ اقبال آرکائیوز کی چیز ہے۔ ایک تو یہ بات تھی۔ ایم ڈی تاثیر کہتے ہیں (وہ لاہور میں کالج میں پڑھاتے تھے) کہ ایک دن علامہ نے مجھے بلا بھیجا۔ پیغام دیا فوراً پہنچو۔ میں کلاس میں تھا۔ اُن کا معمول نہیں تھا کہ ڈیوٹی کے اوقات میں یاد فرمائیں۔ میں نے کلاس مختصر کی اور چلا آیا۔ آیا تو میں نے دیکھا ایک صاحب اقبال کے پاس بیٹھے ہیں۔ علامہ نے کہا بیٹھ جاؤ۔ میں بیٹھ گیا۔ اُنھوں نے کہا یہ پروفیسر صاحب ہیں عراق کی کسی یونیورسٹی میں۔ یہ ہندوستان آئے ہیں چلتے چلاتے۔ اور قرآن بڑا اچھا پڑھتے ہیں۔ تو میں نے کہا کہ میں تمھیں قرآن سنواؤں۔ میں نے کہا جی ٹھیک ہے، زہے نصیب۔ تو ڈاکٹر تاثیر کہتے ہیں کہ اقبال نے مجھ سے کہا کہ اِن سے کوئی سورۃ کہو۔ میں نے کہا سورۂ رحمٰن سنائیں۔ اُنھوں نے سنائی۔ بہت اچھا پڑھا۔ دل کے تاروں کو چھوا۔ جب سورۂ رحمٰن اُنھوں نے ختم کی تو اقبال نے کہا کہ کچھ اور بھی سنو۔ میں نے کہا سورۂ نجم سناؤ۔ تو اُنھوں نے سورۂ نجم سنائی۔ اب کہنے لگے کہ جب وہ سورۂ نجم پڑھ رہے تھے تو میرے بھی ٹپ ٹپ آنسو گر رہے تھے اور علامہ کے بھی ٹپ ٹپ آنسو گر رہے تھے۔ جب یہ ہو چکا تو میں نے بعد میں علامہ سے کہا کہ یہ بتایئے سورۂ رحمٰن میں یہ کیفیت کیوں نہیں ہوئی؟ علامہ نے فرمایا کہ اصل میں سورۂ رحمٰن میں چونکہ بار بار **فبای آلاء ربکما تکذبن** کی آیتِ مبارکہ دوہرائی جاتی ہے، اور اِس کے ساتھ قوافی چلتے ہیں، قافیے چلتے ہیں: **مدھآمّتٰن، مرج البحرین یلتقیان**...... قوافی چلتے ہیں، قافیے، رائمز کی ترتیب پر، تو یہ اُن قاری صاحب کا ذہن پڑھنے میں اُدھر منتقل رہا، تو دل کے تار معنی سے نہیں ملے۔ والنجم میں دل کے تار معنی سے ملے ہیں تو دل کو چھوا ہے اِنھوں نے۔

یہ واقعہ بذاتِ خود سرمۂ چشمِ بصیرت ہے۔ میں اِس واقعہ سے ایک اور چیز refer کرنا چاہتا ہوں کہ اُس زمانے میں ہمارے پڑھے لکھے لوگ ایسے تھے جو قرآن کو سمجھتے تھے۔ جو کہتے تھے فلاں سورۃ سنایئے، فلاں مقام سے پڑھیے۔ یہ مولوی نہیں تھے۔ ڈاکٹر تاثیر مولوی نہیں تھا۔ کہنے کی بات یہ ہے...... اور ابھی قاری صاحب نے ذکر فرمایا، سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ سے، اقبال سے اُن کے مراسم تھے۔ وہ فرمایا کرتے تھے کہ قرآن کو سید احمد شہیدؒ کی طرح اور شاہ اسماعیل شہیدؒ کی طرح نہ سہی، اقبال کی طرح ہی پڑھ لیا کرو۔ اور آگے اُن کے الفاظ یہ تھے کہ دیکھو، اِس نے قرآن کو ڈوب کر پڑھا تو مغرب کی دانش پر ہلّہ بول دیا۔

ایک مختصر واقعہ عرض کر کے گفتگو سمیٹتا ہوں۔ سید احمد شہیدؒ کا ذکر آ گیا اور بات سے بات نکلتی ہے، خیال سے خیال چلتا ہے۔ انگریزوں کے ساتھ جب ٹکر کے آثار بن رہے تھے تو شاہ عبدالعزیز دہلویؒ، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے چشم و چراغ، جنھوں نے ہندوستان کے دارالحرب ہونے کا فتویٰ دیا، وہ اِس پوری صورتِ حال کو مانیٹر کر رہے تھے دہلی میں بیٹھ کر، اور انگریز بہادر عیسائی مشنری لا رہا تھا دھڑا دھڑ یہاں، ہندوستان میں، تاکہ علماء کو ایک اور ہی میدان میں الجھا دیا جائے: مناظروں میں؛ اور یہ جو resistence آ رہی ہے اِس کو روک دیا جائے۔ مست رکھو ذکر و فکر صبحگاہی میں اِسے۔ تو شاہ عبدالعزیز دہلویؒ نے کہا شاہ اسماعیل شہیدؒ سے اور مولانا عبدالحئی سے...... یہ دونوں ساتھی ہیں...... کہ بھئی ایسا ہے کہ تم سید احمد شہید کو اپنا شیخ مان لو، اُن کو اپنا مصلح مان لو، اُن کو اپنا بڑا مان لو، اُن سے اصلاح لو۔ تو مولانا عبدالحئی کہتے ہیں...... وہ خود اِس واقعے کے راوی ہیں...... کہ ہمارے جی میں آئی کہ شاہ عبدالعزیز دہلوی...... اِس وقت ہندوستان میں اُن کے پائے کا عالم نہیں، شاہ ولی اللہؒ کے بیٹے ہیں، جامع العلوم ہیں، بحرالعلوم ہیں۔ سید احمد شہید کے پاس کیا ہے؟ ایک سید زادہ ہے، جس نے ٹونک میں سپہ گری کی ملازمت کی ہے، درسِ نظامی اِس نے مکمل نہیں کیا۔ اور یہ ٹھیک ہے شاہ صاحب سے اِس کا تعلق ہے، ذہن اِس کا جہادی ہے، بڑا

un-compromising قسم کا۔ یہ کہتے ہیں اِس کو مصلح مان لو! یہ ہماری کیا اصلاح کرے گا؟ شاہ صاحب فرما رہے ہیں...... شاہ عبدالعزیز......نہیں بھئی، تم اُس کو مان لو۔ تم اُس سے فائدہ اُٹھاؤ۔ اُس کو اپنا مصلح مان لو۔ اُس کو شیخ مان لو۔ کہنے لگے کہ چنانچہ ہم صرف امتثالِ امر میں، اپنے اُستاد کا حکم پورا کرنے کے لیے، ہم سید احمد شہید کی خدمت میں چلے گئے۔ دیکھنے کے لیے۔ اور خود شاہ صاحب کے زیرِ سایہ......شاہ عبدالعزیزؒ کے...... جب اُن کی خدمت میں گئے اور ہم نے کہا کہ ہم آئے ہیں اور اِس نیت سے آئے ہیں تو شاہ صاحب نے...... کہنے لگے......کہ ہمیں بتایا تھا کہ تم اُن سے یہ کہنا کہ ہمیں مسنون نماز سکھا دیں۔......دیکھیے! شاہ اسماعیل شہید وہ ہے جس کے علم ڈنکا بجتا ہے، اپنے وقت کا امام......اور اُس کو شاہ عبدالعزیز کہہ رہے ہیں کہ سید احمد شہید سے کہو کہ ہمیں مسنون نماز سکھا دیں۔......اُنھوں نے کہا کہ ٹھیک ہے۔ ایسا ہے کہ آپ رات کو آ جائیں، عشاء پڑھ کے، تسلی سے، اور اپنے تقاضوں سے اور اپنے معمولات سے فارغ ہو کر آپ میرے ہاں آ جائیں۔ کہنے لگے ہم چلے گئے۔ اب ہم منتظر ہیں اور پرتجسس ہیں کہ اب ہوگا کیا؟ کہنے لگے کہ سید احمد شہید ہمیں حوض پر لے گئے اور فرمایا کہ اِس استحضار سے، دل میں اِس کیفیت کو طاری کر کے، وضو کریں کہ کوئی سنت چھوٹنے نہ پائے، جیسے صحابہؓ کرتے تھے اور جیسے اُنھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو وضو کرتے دیکھا۔ تو مولانا عبدالحئیؒ کہتے ہیں کہ واقعہ یہ ہے کہ پڑھتے پڑھاتے عمر گزر گئی، ایسے لگا کہ زندگی میں پہلی دفعہ وضو کر رہا ہوں۔ بہت دیر لگا کے وضو کیا۔ جب آ گیا، شاہ صاحب اپنے حجرے میں لے گئے۔ کہا کہ صرف دو نفل پڑھنے ہیں۔ اب بھی استحضار یہی ہے کہ حکم دیا گیا ہے: صَلُّوا کَمَا رَاَیْتُمُونِی اُصَلِّی......ایسے نماز پڑھو جیسے تم مجھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھتے ہو...... اِس کیفیت کے استحضار کے ساتھ دو رکعت پڑھنی ہے۔ مولانا کہتے ہیں کہ یقین مانیے مجھے سحر ہو گئی۔ میں دو رکعت پڑھتا تھا، سلام تک پہنچتے پہنچتے تنبّہ ہو جاتا تھا کہ فلاں جو میرا رکن تھا اور فلاں جو چیز تھی وہ سنت سے ہٹ کر تھی، فلاں میں حق ادا نہیں ہوا، سجدے میں کمی رہ گئی، قومے میں، قعدے میں، جلسے میں، کہیں۔ دو رکعت پوری نہیں کر پایا۔

چومی گویم مسلمانم بلَرزم
کہ دانم مشکلاتِ لا الٰہ را

بعض اوقات آدمی کا علم جو ہے وہ اُس کے سامنے رکاوٹ بن جاتا ہے، رویتِ حق میں، قبولِ حق میں۔ مجھے تو بہت کچھ آتا ہے۔ دو رکعت کے امام ہیں بے چارے، یہ تو چلاّتے ہی رہتے ہیں۔ اور دو رکعت کے امام کی بھی سُن لیں۔ اللہ اشفاق احمد کی مغفرت کرے، بڑی اچھی مثال دیا کرتے تھے۔ اُنھوں نے کہا کہ دیکھیں بات یہ ہے کہ سڑک پر چوک آ گیا۔ میں گاڑی پر جا رہا ہوں۔ آگے سپاہی کھڑا ہوا ہے۔ اُس نے کہا جناب رک جائیں۔ میں نہیں رک رہا۔ اُس نے کہا کہ یہ سرخ بتی ہے آپ رک جائیں۔ میں نے کہا تمھیں پتہ نہیں؟ تم الو کے پٹھے ہو۔ میں تو پی ایچ ڈی ڈاکٹر ہوں، میں تو اِتنا بڑا آدمی ہوں۔ اُس نے کہا سر! میں تو بی اے فیل ہوں، ایف اے میں چھ دفعہ فیل ہوا تھا۔ لیکن سرخ بتی کا مطلب ہے رک جانا۔ میں تو آپ کی خاکِ پا ہوں۔ لیکن سرخ بتی کا یہی مطلب ہے، اور یہ میں بالکل صحیح بتا رہا ہوں آپ کو۔ دو رکعت کا امام بے چارہ جو ہے: اکبر نام لیتا ہے خدا کا اِس زمانے میں، اُس کا قصور یہ ہے کہ وہ کہہ رہا ہے کہ بھئی یہ قرآن ہے اور یہ حدیث ہے۔ آپ بہت پڑھے لکھے آدمی ہیں، آپ عظیم آدمی ہیں، لیکن اِس سے نہیں ہٹ سکتے۔ ہم کہتے ہیں نہیں۔ blasphemy act تو بدلنا ہوگا۔ قانونِ توہینِ رسالت میں کوئی نہ کوئی تبدیلی تو کرنی ہوگی۔

ایک صاحب کا کہنا ہے کہ آج کل مسلمانوں کے لیے مغرب سے استفادہ کرنے کی یہ تین شرطیں ہیں۔ میں نے کہا جی آسان بات ہے، یعنی جو ہمارے علماء تھے یا جو لوگ تربیت کرتے تھے، وہ تو کہتے تھے جناب تمام چیزیں چھوڑ دو جو منہیات ہیں۔ معروفات پہ آ جاؤ، منکرات کو چھوڑ دو۔ یہ صرف تین شرطیں ہیں: پہلی بات یہ کہ رزقِ حلال کی رٹ نہ لگایئے۔ اِس کی کوئی پابندی نہیں ہے۔ ٹھیک۔ دوسری شرط یہ کہ آپ کی بیوی پردہ نہ کرے، مطلب یہ کہ اِس میں بھی بڑی ریلیکسیشن ہے۔ اور تیسری

شرط یہ ہے کہ یہ نماز جو ہے اِس کی بھی کوئی پابندی نہیں ہے۔ بڑا مصروف ہوگیا ہے بندہ۔ پانچ وقت میں وضو کرنا، پھر نماز پڑھنا۔......تو پھر خیر سلا ہے۔ پھر آپ اِن سے فیض یاب ہوسکتے ہیں۔ پھر دنیا جہان کی دانش، مقولہ سازی (proverbial)۔ اِس میں کمال ہے۔ گفتار کے غازی۔ تو یہ جو اِس طرح کی lip service ہے، اِس سے ہم خوش ہیں۔

مگر بات پھر وہی ہے۔ وہ بے چارہ جو چلّا رہا ہے اُس کی جگہ ہمیں کھڑا ہونا چاہیے تھا۔ یہ قرآن و حدیث کیا صرف مولوی صاحب کے لیے اُترا ہے؟ اور مولوی کی حیثیت کیا ہے؟ کیا جنازہ پڑھانا، نکاح پڑھانا، نماز پڑھانا کوئی اِتنا مشکل کام ہے کہ اِس کے لیے کوئی بندہ لایا جائے؟ اور میں تفنن کے طور پر آپ سے عرض کروں۔ یہ بالکل سچا واقعہ ہے، واللہ العظیم مجھے ایک ساتھی نے بتایا کہ ایک صاحب تھے جو پنجاب سے فرار ہوکر سندھ میں چلے گئے، وہاں جا کر اُنھوں نے...... وہ اشتہاری تھے بے چارے، کوئی ایسے اچھے کام انھوں نے کیے تھے......تو وہ وہاں پیر بن گئے۔ تو ایک دن جس بستی میں وہ تھے، ایک بندہ وہاں جل کر مر گیا۔ آگ لگی، بے چارہ مر گیا۔ مولوی صاحب Availiable نہیں تھے۔ لوگوں نے کہا کہ حضرت آئیں اور جنازہ پڑھائیں۔ حضرت نے تو جب سے پیدا ہوئے تھے کبھی فرض نماز نہیں پڑھی تھی تو جنازے کی اُن کو کیا ہوا لگی ہو۔ اُنھوں نے کہا یہ مولویوں کے کام ہیں۔ ہم تو نماز مدینہ میں پڑھتے ہیں۔ لوگوں نے کہا کہ آج تو آپ ہی پڑھا دیں کیونکہ مولوی صاحب ہیں نہیں، مہربانی کریں۔ وہ بے چارے مارے باندھے، لشٹم پشٹم، آ کے کھڑے ہوئے۔ دو رکعت اُنھوں نے تلاوت کے ساتھ اور رکوع اور سجدہ کی پوری پابندی کے ساتھ پڑھا دیں۔ اب وہ جو پیچھے کھڑی ہوئی تھی نا ''قوم جاہلون'' وہ جتنے بھی بیچارے گئے گزرے تھے، لیکن کچھ نہ کچھ اندازہ اُنھیں تھا، تو لوگوں نے کہا کہ جناب یہ آج تو آپ نے بڑا نئے طریقے کا جنازہ پڑھایا۔ تو اُن کو بھی کچھ کھٹک پیدا ہوئی کہ مسئلہ کچھ ہوگیا ہے، کچھ foul میں play کر گیا ہوں۔ اُنھوں نے کہا بڑے جاہل ہو تم! کبھی جو جل کر مرجائے اُس کا جنازہ پڑھا؟ کہا جی نہیں۔ کہا وہ ایسے ہی پڑھا جاتا ہے۔ یہ شامتِ اعمال ہے...... یقین مانیے...... ہنسنے کا مقام بھی اور رونے کا مقام بھی۔ جب مجھ آپ جیسے لوگ جو ہیں، ہم لوگ قوم کو اِس طرح کی مخلوقات کے حوالے کر دیں گے تو پھر یہی ہوگا۔

اجاڑ راتوں میں ریت دھرتی پہ فصل بوئی تھی چاندنی کی
اب اُس میں اُگنے لگے اندھیرے تو جی میں کیسا ملال رکھنا

میں...... یہی کچھ بکھری بکھری باتیں مجھے کرنی آتی ہیں۔ اور مجھے اعتراف ہے کہ میں آپ کا وقت قیمتی نہیں بنا سکا۔ آپ کے علم میں اضافہ نہیں کرسکا۔ اور شاید میں کوئی بہت مربوط گفتگو نہیں کرسکا۔ یہ قاری صاحب کا حکم تھا۔ میرے لیے صرف یہی خوشی تھی کہ چلیں ہم اپنے پاکستانیوں میں مل بیٹھیں گے۔ اِنھوں نے مجھے یہاں کھڑا کر دیا۔ اللہ تعالیٰ آپ حضرات کو جزائے خیر دے کہ آپ نے حسنِ سماعت سے میری گفتگو کی قدر افزائی کی۔ اور موقع ملا تو انشاء اللہ ملاقاتوں کی سبیلیں پیدا ہوتی رہیں گی۔

تیری میری ڈاک ہُن چلدی رئے گی
کھل گیا ڈاک خانہ ہُن دل دے وچ

وما علینا الا البلاغ